فکر و نظر ---- اسلام آباد جلد:۴۰ شمارہ:۱

قصیدۂ شمسیہ-ایک نادر نعتیہ دستاویز

ڈاکٹر خورشید رضوی ☆

گزشتہ کئی برس کی محنت، ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی کے ثقہ مؤرخ، ابن الشعّار کے یادگار تذکرۂ شعرائے معاصرین، "قلائد الجمان" کی چھٹی جلد کی تحقیقِ متن میں صرف ہوئی[1]۔ اس محنت کے ضمنی فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تاریخِ نعت کی ایک اہم کڑی کا سُراغ ملا۔ ابن الشعّار دمشق کے ایک معاصر شاعر محمد بن سعد بن سعد بن عبداللہ بن سعد السّعدی الانصاری کا تذکرہ[2] درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان سے میری ملاقات ذی الحجہ ۶۳۹ھ میں دمشق ہی میں ہوئی۔ میں نے اُن کے سالِ ولادت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے تقریباً ۵۷۷ھ کا اندازہ بتایا[3]۔ وہ الملک الصالح، ابوالفداء، اسماعیل بن ابی بکر، حاکمِ دمشق کے دربار میں کاتبِ انشاء (میر منشی) کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔ اپنے زمانے کے اچھے فاضلوں میں شمار ہوتے تھے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم و ادب میں مشغول ہوئے۔ فقہ حنبلی میں مشہور فقیہ ابنِ قُدامہ کے شاگرد تھے۔ ابتداء میں بچوں کو پڑھاتے تھے پھر الملک الصالح کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ اچھے انشا پرداز، پاکیزہ گفتار اور خوش کلام و پُرگو شاعر تھے۔ مجھے اُن کا کلام اُنہی کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس میں آپؐ کے مناقب و معجزات کا بیان ہے۔

آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ نعتیہ قصیدہ--- (جسے ہم سہولتِ حوالہ کی غرض سے آئندہ صفحات میں شاعر کے لقب شمس الدین کی رعایت سے "قصیدۂ شمسیہ" کا نام دیں گے)--- دمشق کے مضافات میں سہمِ اعلیٰ کے مقام پر دریائے ثورا کے کنارے ۲۵ ذی الحجہ ۶۳۹ھ کو، بدھ کے روز، خود ابن الشعّار کو سنایا۔ قصیدہ ایک سو اڑتیس اشعار پر مشتمل ہے اور ابن الشعّار نے سارے کا سارا قلائد الجمان میں محفوظ کر دیا ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا یہ قصیدہ نادر ہے چنانچہ اس کا مکمل عربی متن، مع تدوینی حواشی کے، بطور ضمیمہ اس مضمون کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

☆ شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

قلائد الجمان کے علاوہ جن جن مآخذ تک ہماری رسائی ہو سکی ہے اُن سے مجموعی طور پر یہ معلومات سامنے آتی ہیں کہ شاعر کی بیشتر شہرت شمس الدین المقدِسی کے لقب سے ہے اور چونکہ مفصّل شجرۂ نسب (محمد بن سعد بن عبداللہ بن سعد بن مُفلح بن ھبۃ[۴] اللہ بن نُمیر الانصاری، الصالحی، الحنبلی) میں ایک جد کا نام ''مُفلح'' آتا ہے اس لیے ''ابن مُفلح'' کی کنیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ خاندانی تعلق بیت المقدس سے تھا چنانچہ ''مَقدِسی'' اسی نسبت سے کہلائے۔ خود دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہیں کوہِ قاسیون کے نواح میں صلاح و تقویٰ کے ماحول میں نشوونما پائی اور بالآخر ماہِ صفر[۵] ۶۵۰ھ میں وفات پا کر قاسیون ہی کے دامن میں مدفون ہوئے۔ اُن سے بارہ برس پہلے اسی نواح میں شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ آسودۂ خاک ہو چکے تھے اور چونکہ شیخ کی زندگی کے آخری اٹھارہ برس کا زمانہ شام، خصوصاً دمشق ہی میں گزرا لہٰذا دونوں کی ملاقات کا امکان نہایت قوی ہے، گو بالوضاحت اس کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ۶۵۰ھ ہی کے ذی القعدہ میں شمس الدین کے بھائی ابو العباس احمد بن سعد کی وفات کا ذکر بھی ملتا ہے[۶]۔

شمس الدین آغاز ہی سے اپنے زمانے کے مروّجہ علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور قرآنِ پاک، نحو اور عربی زبان کا درس لیا۔ حدیث کے حصول میں خصوصاً بہت وقت صرف کیا۔ ابن صدقہ الحرّانی، یحییٰ الثقفی، ابن الموازینی، عبدالرحمٰن بن علی الخِرَقی اسماعیل الجنزوی اور ابو طاہر الخشوعی جیسے محدّثین سے حدیث سُنی، علاوہ ازیں ابو طاہر السِّلَفی، ابن شاتیل، ابو موسیٰ المدینی، القزّاز، اور احمد بن نیال الترک جیسوں سے اُن کو اجازت حاصل تھی۔ بعد ازاں خود دمشق کے علاوہ حلب میں بھی درسِ حدیث دیتے رہے۔ اُن سے حدیث روایت کرنے والوں میں خود اُن کے فرزند سعد الدین یحییٰ بن محمد کے علاوہ مجد الدین ابن العدیم، شرف الدین الدمیاطی، قاضی تقی الدین سلیمان، الفخر، ابن عساکر اور العفیف، اسحاق وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ الحافظ الضیاء اور ابن الحاجب نے اُن سے حدیث نقل کی ہے۔

حدیث کے علاوہ فقہِ حنبلی سے شغف رہا اور، جیسا کہ بیان ہوا، اس میدان میں ابن قُدامہ جیسے فقیہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ ادب میں بھی دستگاہ پیدا کی۔ نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اُس دور کے اکثر اہلِ علم کی طرح خطاطی میں بھی اچھی مہارت بہم پہنچائی اور علم و فضل، انشا پردازی،

شاعری، دینداری، خوش نویسی، خوش کرداری اور خوش گفتاری میں شہرت پائی۔ حاکمِ دمشق الملک الصالح اسماعیل بن ابی بکر نیز الملک الناصر داؤد بن عیسٰی کے ہاں میر منشی کے عہدے پر فائز رہے اور بعض روایات کے مطابق، ایک زمانے میں قلمدانِ وزارت بھی سنبھالا۔

آپ کی شاعری کے جو نمونے قلائد الجمان اور دیگر مآخذ میں ملتے ہیں وہ اپنے دور کی اچھی شاعری کے نمائندہ ہیں۔ آپ کے زمانے میں آپ کی ایک نظم (۷) کا خاص طور پر چرچا ہوا کیونکہ یہ غیر معمولی جرأت کا مظہر تھی۔ خود ملازمِ دربار ہونے کے باوجود آپ نے اسی نظم میں الملک الصالح کو اُس کے دربار کی ناگفتہ بہ حالت بتاتے ہوئے بے باک نصیحت کا فرض ادا کیا اور، ایسا کرتے ہوئے، بقول خود، جان کا خطرہ مول لیا ۔

یا مالکاً لَمْ أجِدْ لی مِن نَصِیْحَتِهِ

بُدّاً، و فیها دمی أخشاه مُنْسَفِکا

اے حاکم اعلٰی
جس کو نصیحت کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے
حالانکہ اس نصیحت میں یہ خطرہ بھی ہے
کہ خود میرا خون بہہ جائے گا

مزید کہتے ہیں ۔

اُس شخص کی نصیحت پر کان دھر
جس پر تیرے بڑے احسانات ہیں
چنانچہ وہ یہ سمجھتا ہے
کہ اگر وہ نصیحت میں کوتاہی سے کام لے
تو یہ احسان فراموشی کے مترادف ہوگا

بخدا وہ حکمرانی پھلتی پھولتی نہیں
جس کا مالک اپنی رعیت پر
ظلم کا جال پھیلا دیتا ہے

اس کے بعد نام بہ نام، وزیر ابنِ غزال اور دو منجموں ثعلب اور فُضیل اور بعض دوسرے کارپردازانِ حکومت کی ناروا روش پر کڑی تنقید کرتے ہیں ۔

یہ وہ لوگ ہیں
جن کے ہاتھوں آفات عام ہوئیں
شریعت کا خون ہوا
اور اسلام نے دم توڑ دیا

سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں ذکر کیا ہے کہ یہ نظم شاعر نے خود مجھے سنائی اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی اور یہ اشعار ایسے ہیں کہ اگر سونے کے پانی سے سیاھیِ چشم پر لکھے جائیں تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر اشعار نقل کرنے کے بعد مزید لکھا ہے کہ اللہ شاعر پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اس کی نگاہ سے پردہ ہٹ چکا تھا اور یہ توفیق الٰہی کی بات ہے(۸)۔ یہ زبردست داد غالباً جراَتِ اظہار کے سبب سے دی گئی کیونکہ خالص فنّی سطح پر یہ اشعار اتنے غیر معمولی نظر نہیں آتے۔ شاعر نے یہ اشعار سر ہتھیلی پر رکھ کر کہے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ صدقِ مقال کی قدر کی گئی چنانچہ، جیسا کہ ذکر ہو چکا، بعض روایات کے مطابق انہوں نے ایک زمانے میں خود الملک الصالح کا قلمدانِ وزارت سنبھالا(۹)۔

چھبیس اشعار پر مشتمل ایک اور نظم، ابن الشعار نے نقل کی ہے(۱۰) جس میں دمشق، بالخصوص قاسیون اور اُس کے گرد و نواح سے شدید محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ عمرِ رفتہ کو آواز دی گئی ہے اور اس علاقے کو روئے زمین پر جنّت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نظم کی فنّی سطح بھی لائقِ داد ہے۔ مطلع ہے ۔

إذا ما بدتْ مِن قاشيونَ قِبابُہ'
و بانتْ لِعينيکَ الغداۃَ لِصابُہ'

جب بھی قاسیون کے گنبد جلوہ گر ہوتے ہیں
اور، صبحدم، تیری آنکھوں کے سامنے
اُس کی وادیوں کی تنگنائیں رونما ہوتی ہیں---

ایک اور نظم کے آٹھ اشعار قلائد الجُمان میں درج ہیں[۱۱] جو سچی محبت کے غیر مغلوب جذبے کا زور شور بیان کرتے ہیں۔ آخری شعر ملاحظہ ہو ؎

وإنّ مُحِبّاً صَدَّتِ النّارُ وجهَهُ

أوِالبَحرُ، عن أحبابِهِ، غيرُ عاشقِ

وہ محبت کا دعویدار
کہ آگ کا الاؤ یا سمندر کا بہاؤ
اُس کا منہ اُس کے پیاروں کی طرف سے موڑ سکتا ہو
عاشق کہلانے کا مستحق نہیں

دو شعر اور النجوم الزاھرہ میں ابن تغری بردی نے نقل کیے ہیں[۱۲] جن میں ممدوح کی آمد پر دوستوں کے دل کی کلی کھلنے اور دشمنوں کی بنیادِ زندگی ہلنے کا بیان کرتے ہوئے اُس کے قدومِ میمنت لزوم کو تپتے ہوئے دیار میں بارانِ رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فنی طور پر یہ دونوں شعر کچھ زیادہ چُست نہیں ہیں چنانچہ خود ابن تغری بردی نے ان کو نقل کر کے معاً بعد کسی اور کے دو شعر درج کیے ہیں اور کہا ہے کہ اسی مضمون کو ان دو شعروں میں بہتر طور پر ادا کیا گیا ہے۔

یہ وہ کُل سرمایہ ہے جو آج اس عالم فاضل، پُرگو شاعر اور اپنے زمانے کی ایک اہم سیاسی و معاشرتی ہر دلعزیز شخصیت کے نتایجِ قلم سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں سے بیشتر ابن الشعار کی قلائد الجمان ہی میں ملتا ہے جس میں وہ طویل نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے جسے ہم نے قصیدۂ شمسیہ کا نام دیا ہے اور جو ان سطور کا باعث تحریر ہے۔ جس قدر دیگر مآخذ تک ہماری رسائی ہو سکی اُن میں سے کسی میں بھی اس قصیدے کا ذکر یا کوئی شعر موجود نہیں۔ عربی نعت کے مشہور و ضخیم انتخاب ''المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ'' میں بھی یہ قصیدہ شامل نہیں ہے۔ اس اعتبار سے اسے ایک نادر دستاویز کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جو قلائد الجمان کے علاوہ شاید کہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔

زمانی اعتبار سے قصیدۂ شمسیہ کا ایک اور امتیاز یہ نظر آتا ہے کہ یہ قصیدۂ بُردہ سے متقدم ہے۔ قصیدۂ بُردہ کا زمانۂ تصنیف قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں لیکن علامہ فضل احمد عارف صاحب نے اپنی کتاب ''برکاتِ بُردہ'' میں اس کا زمانہ متعین کرنے کے لیے، بجا طور پر، الملک الظاہر کے وزیر

بہاؤالدین ابن حنا کے عہدِ وزارت کو حوالہ بنایا ہے(۱۳)۔ محمد بن شاکر الکتبی کی روایت کے مطابق امام بوصیریؒ کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کئی قصائد کہہ رکھے تھے جن میں سے کچھ وزیر زین الدین یعقوب بن الزبیر نے مجھ سے فرمائش کر کے لکھوائے۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے فالج ہوگیا جس سے میرا آدھا جسم بیکار ہوگیا۔ تب مجھے اپنے اس قصیدے ''البردۃ'' کے نظم کرنے کا خیال آیا۔ سو میں نے یہ قصیدہ کہا اور اس وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی مجھے صحت بخشے۔ اور بار بار اسے پڑھا اور رو رو کر دعا کرتا اور واسطہ دیتا رہا۔ سویا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے میرے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور مجھے ایک چادر عطا فرمائی۔ آنکھ کھلی تو میں نے خود میں قوت محسوس کی۔ سو میں اُٹھا اور گھر سے نکل آیا۔ یہ بات میں نے کسی کو بتائی نہیں تھی (مگر ہوا یہ کہ) فقراء میں سے ایک صاحب مجھے ملے اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ وہ قصیدہ مجھے عطا کریں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے۔ میں نے کہا ''کون سا؟'' کہا جو آپ نے بیماری کی حالت میں کہا ہے اور اس کا مطلع دہرا دیا۔ پھر کہا کہ بخدا میں نے یہ قصیدہ گزشتہ شب سُنا جبکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھومتے ہوئے دیکھا اور آپؐ نے اسے پسند فرمایا اور پڑھنے والے کو ایک چادر عطا فرمائی۔ سو میں نے قصیدہ اُن صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے اس بات کا (اوروں سے) ذکر کیا اور خواب کا چرچا ہوگیا تاآنکہ وزیر بہاؤ الدین، ابن حنا تک پہنچا۔ انہوں نے پیغام بھیج کر قصیدہ منگوا لیا اور قسم کھا لی کہ اسے جب سنیں گے کھڑے ہو کر، ننگے پاؤں ننگے سر سنا کریں گے اور وہ اور اُن کے اہلِ خانہ اسے سننا پسند کرتے تھے---(۱۴)

وزیر بہاؤ الدین مذکور کا پورا نام علی بن محمد بن سلیم ہے اور وہ ''ابن حِنا'' کی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا زمانۂ حیات ۶۰۳-۶۷۷ھ/۱۲۰۷-۱۲۷۹ء ہے(۱۵)۔ خوش قسمتی سے البدایہ والنھایہ میں قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ الملک الظاہر نے اُن کو پیر، ۸/ربیع الاوّل ۶۵۹ھ کو اپنا وزیر مقرر کیا(۱۶)۔ قصیدۂ بردہ کی تصنیف کے بارے میں مندرجہ بالا روایت سے واضح طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ تصنیف کے بعد جلد ہی اس کی شہرت وزیر ابنِ حنا تک پہنچ گئی۔ اب اگر یہ واقعہ وزیر مذکور کی وزارت کے پہلے دن کا بھی ہو تب بھی بُردہ کا زمانۂ تصنیف ۶۵۹ھ کے اوائل یا ۶۵۸ھ کے اواخر کی بات ہوگی جبکہ شمس الدین محمد بن سعد ۶۵۰ھ میں وفات پا چکے تھے اور جیسا کہ ذکر ہوا، انہوں نے

قصیدۂ شمسیہ ۲۵ ذی الحجہ ۶۳۹ھ کو خود ابن الشقار کو سنایا تھا اور عین ممکن ہے کہ وہ بہت پہلے کا کہا ہوا ہو۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ یہ قصیدہ، قصیدۂ بُردہ سے سال ہا سال پہلے کا ہے اور خارج از امکان نہیں کہ امام بوصیری” کی نظر سے بھی گزرا ہو اور انہوں نے اس سے، شعوری یا غیر شعوری اثر بھی قبول کیا ہو۔ اس قصیدے کے اوّلین الفاظ ”تذکّرمشتاق“ سے ذہن قصیدۂ بُردہ کے ابتدائی کلمات ”اَمن تذکّر جیران“ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگر لفظ ”تذکّر“ دونوں جگہ الگ الگ معنوی پر چھائیں رکھتا ہے لیکن لفظی اشتراک بہرحال توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ اسی طرح قصیدۂ شمسیہ کے چوتھے اور پانچویں شعر کا مضمون ؎

جب وہ زخم خوردہ آنکھ کو
گریہ و زاری سے روکتا ہے
تو وہ تھوڑی نہیں
بلکہ زور شور سے بہہ نکلتی ہے
اور اگر وہ سوزِ عشق کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے
تو اُس کی اشک آلود پلکیں
اُس کے غم اور عشق کا راز فاش کر دیتی ہیں

قصیدۂ بُردہ کے تیسرے اور چوتھے شعر کی یاد دلاتا ہے ؎

سو تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے
کہ جب تو اُن سے کہتا ہے کہ تھمی رہو
تو وہ بہہ نکلتی ہیں
اور تیرے دل کو کیا ہو گیا ہے
کہ جب تو کہتا ہے کہ ہوش میں آ
تو وہ اور سرگشتہ ہو جاتا ہے

کیا عاشق یہ گمان کرتا ہے
کہ چشم گریاں اور دلِ بریاں کے ہوتے ہوئے
محبت پوشیدہ رہ سکے گی

تاہم مروّج مضامین کے ان لفظی و معنوی اشتراکات سے کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کیونکہ ان کی بنیاد توارِدِ محض پر بھی ہو سکتی ہے۔ فنی اعتبار سے قصیدۂ بُردہ یقیناً فائق ہے اور جذبے کے وفور، تاثیر اور قبولِ عام میں تو اُس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ ہاں قصیدۂ شمسیہ کو تقدّم زمانی کا شرف ضرور حاصل ہے اور اپنی جگہ ایک معیاری قصیدہ ہونے کی حیثیت سے یہ تاریخِ نعت میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

قصیدۂ شمسیہ بحرِ طویل مثمن مقبوض میں ایک طویل رائیہ ہے جس کے اشعار کی تعداد، جیسا کہ ذکر ہو چکا، ایک سو اڑتیس ۱۳۸ ہے۔ پہلے پندرہ شعر تشبیب کے ذیل میں آتے ہیں جن میں بصیغۂ غائب، خود شاعر کے سوزِ عشق اور اُس سے پیدا ہونے والے غم و اندوہ اور اشک فشانی کا ذکر ہے۔ بیانِ غم میں، تیسرا شعر، فنی طور پر بہت مضبوط ہے ؎

وہ غم زدہ ہے
غم و اندوہ سے مانوس ہو چکا ہے
اور جو کوئی زمانے کا مزاج آشنا ہو جاتا ہے
غموں کی شکایت نہیں کیا کرتا

آگے چل کر اپنے وطن دمشق کے پُرفضا مقام ''نیربین'' میں اپنے چاہنے والوں کے درمیان آسودہ حال ہونے کے باوجود دُور کے دیار ''رامہ'' اور ''عقیق'' تک رسائی کی آرزو کا ذکر کیا گیا جو ظاہراً تشبیب کی عمومی فضا میں دیارِ محبوب کی علامت سمجھے جا سکتے ہیں مگر یہاں، براعتِ استہلال کے انداز میں، قصیدے کے اصل موضوع کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں کیونکہ ''رامہ'' گو ایک سے زیادہ مقامات کا نام ہے مگر یہاں روئے سخن اُس ''رامہ'' کی طرف ہے جو بصرہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستے کا ایک پڑاؤ ہے جبکہ ''عقیق'' مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک نخلستان ہے بلکہ اسی نواحِ پاک میں کئی مقام اس نام سے موسوم ہیں (۱۷)۔ اپنے وطن کی ارضِ جنّت نظیر کی تعریف کرتے ہوئے، سولھویں شعر میں، گریز کی لطیف تقریب پیدا کی گئی ہے اور اصل موضوع کا آغاز کیا گیا ہے:

اُس نے ایسے دل کش مقام سے دور چلے جانے کی تمنا کی
کسی اُکتاہٹ کے سبب نہیں

بلکہ اُس کا محرک ایک ایسا ارادہ تھا
جو موجب اجر و فخر ہے

یعنی ایک ایسے مزارِ مبارک کی زیارت
کہ ہر دل اور ہر آنکھ کو
شدّت شوق میں یہ آرزو ہوتی ہے
کہ وہ اُس میں سما جائے

وہاں وہ ہستیؐ بستی ہے
کہ عالمین کے لیے سراپا عصمت ہے
اور رحمت
جو نیک و بد سب کو محیط ہے
یعنی ذاتِ والائے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)
جو خیر الانام ہیں
اور سب سے بڑھ کر لائقِ فخر اور بلند مرتبت

بیسویں شعر سے روئے سخن براہ راست ذاتِ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جاتا ہے اور آپؐ سے مخاطب ہو کر شاعر آپؐ کی فضیلت اور آپؐ کی تشریف آوری سے قبل سارے جہاں پر چھائی ہوئی کفر کی ظلمت، توحید سے روگردانی اور شرک و باطل کی حکمرانی کا ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ کفر و ضلالت کے اس سیلاب کے سامنے آپؐ نے "فاصدع بما تؤمر"(۱۸) پر عمل پیرا ہوتے ہوئے 'بلا خوفِ لومۂ لائم، دو ٹوک انداز میں پیغامِ حق سنایا اور زمانے بھر کی عداوت کا تن تنہا مقابلہ فرمایا تا آنکہ اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی۔

جب گمرہی کا بحرِ زخار اُمڈ آیا
اور اُس کا چڑھاؤ عروج کو پہنچ گیا
تو آپؐ کی آمد اُس کا اُتار ثابت ہوئی

اور جب بے راہ روی کی شبِ تاریک، اور تاریک ہوگئی

تو آپؐ اُس میں مہِ کامل بن کر طلوع ہوئے
اور اُس کے لیے پیغامِ سحر لائے

آپؐ نے خدائے رحمٰن کی راہ میں
جہاد کا حق ادا کر دیا
یہاں تک کہ نصرت الٰہی
اور اُس کے پیچھے پیچھے فتح آ پہنچی

یہ مضامین شعر نمبر۳۱ تک چلتے ہیں۔ بتیسویں شعر میں معجزات کا بیان شروع ہوتا ہے ۔

آپؐ کو کُھلے کُھلے معجزات عطا ہوئے
جو نصف النھار پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح
ٹھوس حقیقت ہیں

پھر سب سے بڑے معجزے یعنی قرآن مجید کا ذکر چھ اشعار میں کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں مختلف فاسد تصوّرات مثلاً اُسے سحر قرار دینا یا مخلوق خیال کرنا یا انسانی ذہن کی اختراع سمجھنا یا اُس کی تحریری شکل کا منکر ہونا۔ اس ضمن میں یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ اگر تحریر کا انکار کیا جائے تو حدیث کا یہ حکم کیا معنی رکھتا ہے کہ دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر نہ جایا جائے مبادا دشمنوں کے ہاتھوں اس کی بے حرمتی ہو۔ یا خود قرآن کا یہ حکم کہ ناپاکی کی حالت میں اسے نہ چھوا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

انتالیسویں شعر میں معجزۂ معراج کا بیان شروع ہوتا ہے اور چھیالیسویں شعر تک چلتا ہے۔ اس حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپؐ کا اسراء اور پھر پُشتِ بُراق پر سدرۃ المنتھیٰ تک کا معراج، رؤیتِ الٰہی سے بہرہ یاب ہونا، آیتِ کُبریٰ کا مشاہدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب بہ سلام، پچاس نمازوں میں حضرت موسیٰؑ کی رائے سے تخفیف کے لیے آپؐ کا بار بار کوشاں ہونا حتّٰی کہ پانچ نمازیں رہ گئیں جن کا ثواب پچاس ہی کے مساوی ہے، یہ سب مضامین علمی انداز میں باندھے گئے ہیں جو اس قصیدے کا عمومی اسلوب ہے۔ چنانچہ جا بجا آیات و احادیث کا حوالہ ملتا ہے جن کی توضیح عربی متن کے حواشی میں کر دی گئی ہے۔

شعر نمبر ۴۷ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان شروع ہوتا ہے اور اُن روایات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی رُو سے روزِ محشر لوگ حالتِ خوف میں انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت میں جائیں گے مگر وہ معذرت کریں گے تا آنکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "أنالھا" "میں شفاعت کے لیے تیار ہوں" فرما کر اُن کی شفاعت کے لیے تشریف لائیں گے، آپؐ کو "لواء الحمد" عطا کیا جائے گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام سے لے کر بعد میں آنے والوں تک سب جمع ہوں گے، پھر آپؐ عرش کے سامنے سجدہ گزار ہو کر شفاعت فرمائیں گے اور آپؐ سے فرمایا جائے گا کہ سر اُٹھایئے، آپؐ کی دعائیں مسموع اور شفاعت مقبول ہوئی۔ پھر کوثر و حوض آپؐ کو عطا ہوں گے جس سے تشنگاں اپنی پیاس بجھائیں گے۔

شعر نمبر ۵۵ سے آگے دیگر بہت سے معجزات کا ذکر تسلسل سے چلتا ہے مثلاً شق القمر، ولادتِ مبارکہ کے موقع پر ایوانِ کسریٰ کا انشقاق، آتش کدۂ مجوس کا سرد پڑ جانا، بحیرہ ساوہ کا خشک ہونا، موبذان کا خواب اور سطیح کاہن کی تعبیر، بحیریٰ اور نسطورا راہب کا آپؐ کی ذات میں علاماتِ نبوت کو شناخت کر کے نشان دہی کرنا، آپؐ کے دستِ مبارک سے وضو کے لیے پانی کا جاری ہونا، آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی سے ہزار سے زیادہ صحابہ کرامؓ کا سیراب ہونا، رُکے ہوئے چشمے آپؐ کی کُلّی سے رواں ہونا، بہت سوں کی پیاس بجھانے کے باوجود مشکیزے کا بھرا رہنا، چند کھجوروں سے لشکر کو زاد مہیا فرما دینا اور اسی طرح برکتِ رزق کے دیگر کئی واقعات۔ حضرت سلمہؓ بن اسلم، حضرت عُکاشہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن جحش کو آپؐ کی طرف سے لکڑیاں عطا ہونا جنہوں نے جنگ میں تلواروں کا کام کیا حضرت قتادہؓ اور حضرت رفاعہؓ کی آنکھ کا زخمی ہو کر باہر نکل آنا اور حضورؐ کے دستِ مبارک سے پھر پیوست ہو جانا، ہاتفوں کا نعت سرائی کرنا، درختوں کا چل کر آپؐ کی طرف آنا، درخت کے تنے (یعنی حنّانہ) کا آپ کی طرف مشتاق ہونا، ہرنی اور پتھر کا سلام عرض کرنا، کنکریوں کا دستِ مبارک میں تسبیح پڑھنا، اُونٹ کا قدم بوسی کرنا، سُراقہ کے گھوڑے کا دھنس جانا، مکڑی کا جالا تاننا، کبوتروں کا گھونسلا بنانا، غزوۂ حنین کے موقع پر آپؐ کا مشتِ خاک پھینکنا، بوڑھی سوکھی بکری کا آپ کے لمسِ مبارک سے دودھ اتارنا، آپؐ کی رسالت پر گوہ کا گواہی دینا اور بھیڑیے کا قسم پوری کرنا، بدر میں ملائکہ کا مدد کو اترنا، حضرت علیؓ کو سردی گرمی سے محفوظ کرنا، سم آلود دستِ

گوشت کا خود اظہارِ سمّیّت کرنا، مہینہ بھر کی مسافت سے آپؐ کا رُعب طاری ہونا وغیرہ۔ معجزات کے بیان کا یہ حصہ قصیدے کا طویل ترین حصّہ ہے یعنی شعر نمبر ۵۵ سے لے کر شعر نمبر ۱۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ قصیدۂ بُردہ میں معجزات کا بیان اس کے مقابلے میں بہت مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود--- (یا شاید اسی سبب سے)--- زیادہ مؤثر محسوس ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۱۱۳ سے اصحاب و آل کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس ضمن میں خلفائے راشدین، حضرات حسنین، اور حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کا بطورِ خاص اور جملہ صحابۂ کرامؓ کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور حدیث ''اصحابی کالنجوم---''(۱۹) کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے:

یہ وہ درخشاں ستارے ہیں
جن سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے
ان میں سے جس کی طرف بھی تو رُخ کرلے گا
وہ تجھے راہ پر لگا دے گا

پھر صحابہؓ کے مناقب و فضائل کے بارے میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ وہ ان گنت ہیں اور تمام مخلوق مل کر بھی اُن کے بیان و شمار کی طاقت نہیں رکھتی۔

مجھ ایسے کی کیا طاقت کہ اُنہیں نظم کرسکے
جبکہ اُن کے وصف میں آیات
نثر میں آئی ہیں

یہاں تک ۱۲۶ شعر ہوتے ہیں اور اس کے بعد اختتامِ قصیدہ تک جذبے کا وفور، علمی اسلوب پر غالب آ جاتا ہے اور بارہ شعر کے اسی اختتامیے کو شاید قصیدے کا سب سے مؤثر حصّہ کہا جا سکتا ہے:

میرا شعر
ہر چند کہ سورج اور ستارۂ شعریٰ جیسے
درخشندہ الفاظ سے عبارت ہو
ان فضائل کے آگے
پارۂ ابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا

بس اتنا ہے کہ میں نے
اُن کی مدح کر کے خود اپنے شعر کو اعزاز بخشا ہے
اور اس کے وسیلے سے
کارِ خیر کے دفتر میں اپنا نام لکھوا لیا ہے

آپؐ پر اللہ کا درود
پھر ان سب (آل و اصحاب) پر ایسا سلام
جو اپنی مہک سے
خود مشک کو خوشبو مستعار دیتا ہو
باغوں کی مہکار جیسا سلام
جسے وہ بادِ صبا کے ہاتھ روانہ کرتے ہیں
تاکہ وہ اُن کا سپاس
ابرِ باراں تک پہنچا دے

آپؐ کی محبت کے بل پر
حشر کے روز تو میں آپؐ کی زیارت کا امیدوار ہوں ہی
مگر اس دنیا میں بھی اس کے لیے شفاعت فرما دیجئے

قصیدے کے آخری تین اشعار میں خطاب کا رُخ حضرتِ الوہیت کی طرف پھرتا ہے:

الٰہی! گناہوں نے مجھے گھیر لیا
نیکی کا سرمایہ میرے پاس نہیں
جس کے بل پر عفو و معرفت کی اُمید کی جا سکے

لے دے کر کچھ ہے تو تیری ذات پر میرا حسنِ ظن ہے
یا پھر میری یہ گواہی
کہ تو لاشریک ہے

ذات لاشریک کی عبادت کرنے والا
کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوگا

یا یہ کہ میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپؐ کے آل و اصحاب سے محبت رکھتا ہوں
بار الہا! اسی کو میرے لیے سامانِ نجات بنا دے

حواشی و تعلیقات

۱۔ کمال الدین، ابو البرکات، المبارک بن ابی بکر، ابن الشعار الموصلی (۵۹۵-۶۵۴ھ / ۱۱۹۸-۱۲۵۶ء) نے بڑے پُرآشوب دور میں زندگی بسر کی۔ اُن کی وفات کے دو ہی برس بعد سقوطِ بغداد کا المناک سانحہ رونما ہوگیا۔ انہوں نے یہ تذکرہ ''قلائد الجمان فی فرائد شعراء ھذا الزمان''، جو بالعموم ''عقود الجمان'' کے نام سے مشہور ہے، دس ضخیم جلدوں میں ترتیب دیا تھا۔ ناسازگاریٔ حالات کے سبب اس کی مزید نقول تیار نہ ہوسکیں اور دس میں سے دو جلدیں (دوسری اور آٹھویں) دستبردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ باقی آٹھ جلدوں کا منحصر بفرد خطی نسخہ، مکتبہ سلیمانیہ استنبول (ترکی) میں محفوظ ہے۔ کافی عرصہ قبل ابن الشعار کے وطن الموصل (عراق) کی یونیورسٹی جامعۃ الموصل میں اسے شائع کرنے کا منصوبہ بنا اور تحقیقِ متن کے لیے مختلف جلدیں مختلف محققوں کے سپرد کی گئیں۔ چھٹی جلد کا خستہ حال عکس راقم کے ذمّے آیا جس کا متن طے کرنے میں آٹھ برس سے زائد وقت صرف ہوا۔ اس اثنا میں خلیج کی جنگ کے نتیجے میں عراق کے حالات سخت خراب ہوگئے۔ صرف تیسری جلد وہاں سے شائع ہوسکی۔ چھٹی جلد کی اشاعت شیخ زاید اسلامی مرکز، جامعۂ پنجاب، لاہور سے ۲۰۰۱ء میں عمل میں آئی۔ پورے تذکرے کی ضخامت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف چھٹی جلد بڑی تقطیع کے ساڑھے آٹھ سو صفحات میں طبع ہوئی ہے۔

اس تذکرے میں فخر الدین رازی جیسے عالم و مفسّر، مجد الدین ابن الاثیر جیسے محدث، ابنِ عربی جیسے صوفی، ابن المستوفی اور ابنِ خلکان جیسے مورّخ، یاقوت الحموی جیسے جغرافیہ دان اور سوانح نگار اور ابن جُبیر جیسے سیاح، سب بطور شاعر سامنے آتے ہیں اور اکثر حالات میں براہِ راست ملاقات کے نتیجے میں اُن کے حالات اور نمونۂ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض ایسی قیمتی معلومات اسی تذکرے میں مل جاتی ہیں جو کہیں اور دستیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ مثال کے طور پر شیخ اکبر، محی الدین، ابنِ عربی سے براہِ راست روایت کے ذریعے، آغازِ شباب ہی میں فوجی ملازمت ترک

کر کے اُن کے راہِ طریقت پر گامزن ہو جانے کا جو محرک خود اُنہی کی زبانی اس تذکرے کی وساطت سے سامنے آیا ہے، ماہرین کو ایک عمر سے اُس کی تلاش تھی۔ زیرِ نظر نعتیہ قصیدہ بھی اسی تذکرے سے ہونے والی ایک ایسی ہی نادر دریافت ہے۔

۲۔ قلائد الجمان، ۴۴۲/۶–۴۵۰، (اوراقِ مخطوطہ، ۱۶۰/الف–۱۶۶/ب)

۳۔ اکثر مآخذ میں اُن کا سالِ ولادت ۵۷۱ھ بتایا گیا ہے لیکن ابن الشعار نے چونکہ براہِ راست پوچھ کر لکھا ہے اور خود شاعر نے قیاساً بتایا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ یقینی تاریخ کا علم کسی کو نہیں اور اندازہ شاعر ہی کا مستند سمجھا جانا چاہیے۔

۴۔ ذیل ابنِ رجب، (۲۰۰/۲)، میں ''مُفلح بن ھبۃ اللہ'' کے بجائے ''ھبۃ اللہ بن مفلح'' درج ہے جو سہوِ قلم معلوم ہوتا ہے کیونکہ تاریخ الاسلام (مخطوطہ)، (ورق ۲۳۹/الف)، فوات الوفیات، (۳۵۸/۳)، الوافی، (۹۱/۳)، النجوم الزاھرۃ، (۲۶/۷)، اور شذرات الذھب، (۲۵۱/۵) سب میں ''مفلح بن ھبۃ اللہ'' ہی ہے۔

۵۔ وفات کا مہینہ صفر سبط ابن الجوزی (۵۸۱–۶۵۴ھ) کی مرآۃ الزمان، (۷۸۸/۸)، میں درج ہے جن کی خود شاعر سے ملاقات رہی اور جو اُن کی وفات کے وقت غالباً دمشق ہی میں تھے۔ انہوں نے یہ نشان دہی بھی کی ہے کہ شاعر کی قبر شیخ ابو عمر (؟) کے قریب بنی۔ بعد میں الحسینی نے صلۃ التکملۃ میں اور ذہبی نے اپنی مختلف کتب میں ماہ شوال درج کیا بلکہ شوال کی دوسری تاریخ کی تحدید بھی کر دی۔ صلۃ التکملۃ (مخطوطہ) ہماری رسائی میں نہیں اور ذہبی نے اپنی روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ دونوں حضرات کا زمانہ (الحسینی ۶۳۶–۶۹۵ھ، الذھبی ۶۷۳–۷۴۸ھ) بھی چونکہ متاخر ہے اس لیے ہم، کسی یقینی دلیل کی عدم موجودگی میں، معاصر شہادت یعنی سبط ابن الجوزی ہی کے قول (ماہِ صفر) کو ترجیح دیتے ہیں۔

۶۔ دیکھیے تاریخ الاسلام (مخطوطہ)، ورق، ۲۳۶/ب، ذیل ابنِ رجب، ۲۰۱/۲، شذرات الذھب، ۲۵۱/۵

۷۔ نظم کے عربی متن کے لیے دیکھیے، مرآۃ الزمان، ۷۸۷/۸–۷۸۸، فوات الوفیات، ۳۵۸/۳ الوافی، ۹۲/۳

۸۔ مرآۃ الزمان، حوالۂ بالا

۹۔ ذیل ابن رجب، ۲۰۱/۲، شذرات الذھب، ۲۵۱/۵

۱۰۔ قلائد الجمان، ۴۴۷/۶–۴۴۹

۱۱۔ ایضاً، ۴۴۹/۶–۴۵۰

۱۲۔ النجوم الزاھرۃ، ۲۷/۷

۱۳۔ برکات بُردہ، ۴۶-۴۷

۱۴۔ فوات الوفیات، ۳۶۸/۳-۳۶۹۔ یہی روایت تھوڑے تھوڑے فرق سے الوافی، ۱۱۲/۳)، اور کشف الظنون (۱۳۳۱)، میں بھی ملتی ہے۔

۱۵۔ الاعلام، ۳۳۳/۴

۱۶۔ البدایۃ والنھایۃ، ۲۳۰/۱۳

۱۷۔ دیکھیے معجم البلدان، بذیل ''رامۃ'' و ''عقیق''

۱۸۔ القرآن، ۹۴/۱۵

۱۹۔ المشکاۃ، باب مناقب الصحابۃ، تیسری فصل

مصادر و مآخذ

(نوٹ): عربی متن کے حواشی میں (ن.م.) سے مرادنفس المصدر (ماخذِ مذکور) ہے۔

ابن ماجہ:

ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی (م۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، مصر، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء

الأعلام:

الزرکلی، خیرالدین بن محمود، (م۱۳۹۶ھ)، الأعلام، قاموس تراجم، دارالعلم للملایین، بیروت، لبنان، نویں اشاعت، ۱۹۹۰ء

البدایۃ والنھایۃ:

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، (م۷۷۴ھ)، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت/مکتبۃ النصر، الریاض، اشاعتِ اُولیٰ، ۱۹۶۶ء

برکاتِ بُردہ:

فضل احمد عارف علامہ، برکاتِ بُردہ، نذیر سنز پبلشرز، اُردو بازار، لاہور، تاریخ ندارد

التاج:

الزبیدی، محمد مرتضیٰ (م۱۲۰۵ھ)، تاج العروس من جواھر القاموس، مصر، ۱۳۰۶-۱۳۰۷ھ

تاریخ الاسلام (مخطوطہ):

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م۷۴۸ھ)، تاریخ الاسلام، (جزء نمبر۱۱)، مخطوطہ نمبر Laud Or 305، بودلین لائبریری، آکسفورڈ

الخصائص الکبریٰ:

السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن أبی بکر (م۹۱۱ھ)، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب المعروف بالخصائص الکبریٰ، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۰ھ

ذیل ابن رجب:

ابن رجب، عبدالرحمٰن بن أحمد (م۷۹۵ھ)، الذیل علی طبقات الحنابلۃ، تخریج وتحشیہ: ابو حازم اسامہ/ ابوالزھراء، حازم، بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

سیر اعلام النبلاء:

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱-۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۱-۱۹۸۵ء

السیرۃ:

ابن ھشام، عبدالملک، المعافری (م۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ السقا وغیرہ، مصر، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

شذرات الذھب:

ابن العماد، الحنبلی، عبدالحی (م۱۰۸۹ھ)، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، ۱۳۵۰-۱۳۵۱ھ

الشفا:

القاضی عیاض بن موسیٰ (م۵۴۴ھ)، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، تحقیق: علی محمد البجاوی، القاھرۃ، ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۷ء

صحیح البخاری:

البخاری، محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح

العبر:

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م۷۴۸ھ)، العبر فی خبر من غبر تحقیق: صلاح الدین المنجد، الکویت، ۱۹۶۰-۱۹۶۶ء

فوات الوفیات:

الکتبی، محمد بن شاکر بن احمد (م۷۶۴ھ) فوات الوفیات والذیل علیھا، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، دارالثقافۃ، بیروت، ۱۹۷۳-۱۹۷۴ء

القاموس:

الفیروزآبادی، مجد الدین، محمد بن یعقوب (م۸۱۷ھ)، القاموس المحیط والقابوس الوسیط، المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ۱۳۱۹ھ

قلائد الجمان:

ابن الشعار، المبارک بن ابی بکر (م۶۵۴ھ)، قلائد الجمان فی فرائد شعراء ھذا الزمان المشھور بعقود الجمان فی شعراء ھذا الزمان، چھٹی جلد، تحقیق: خورشید رضوی، شیخ زاید، اسلامی مرکز، جامعۂ پنجاب، لاہور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، مخطوطۂ قلائد الجمان، نمبر ۲۳۲۳-۲۳۳۰، ذخیرہ اسعد افندی، کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول، ترکی

کشف الظنون:

حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ (م۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استنبول، ۱۹۴۱ء

اللسان:

ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم (م۷۱۱ھ)، لسان العرب، تحقیق: علی شیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء

مرآۃ الزمان:

سبط ابن الجوزی، یوسف بن قزاوغلی (م۶۵۴ھ)، مرآۃ الزمان فی تاریخ الأعیان، (القسم الثانی من الجزء الثامن)، حیدر آباد، دکن ۱۳۷۱ھ / ۱۹۱۲ء

مسند احمد:

احمد بن محمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق: محمد الزھری، الغمراوی، المطبعۃ المحمدیۃ، مصر، ۱۳۱۳ھ

المشکاۃ:

الخطیب التبریزی، ولی الدین، محمد بن عبداللہ، (م۷۴۱ھ) مشکاۃ المصابیح، لاہور، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

معجم البلدان:

یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی (م۶۲۶ھ) کتاب معجم البلدان، تحقیق: فرڈی تنڈوسٹفلڈ، لیپزک، ۱۸۶۶ء

النجوم الزاہرۃ:

ابن تغری بردی، یوسف بن تغری بردی بن عبداللہ (م۸۷۴ھ)، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، ۱۳۴۸-۱۳۷۵ھ / ۱۹۲۹-۱۹۵۶ء

الوافی:

الصفدی، صلاح الدین، خلیل بن ایبک (م۷۶۴ھ) الوافی بالوفیات، ویسبادن، آغاز اشاعت اجزاء، ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء

الوفا:

ابن الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن (م۵۹۷ھ)، الوفا باحوال المصطفیٰ، تحقیق: مصطفیٰ عبدالواحد، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

☆---☆---☆

متن القصيدة

تَذكَّرَ مشتاقٌ وأنّى له الذِّكرىٰ ... ولمْ يستطع للوجدِ صَرْفاً وّلا أمْرا[١]

أخُولوعةٍ ما فارقَ الشّوقُ قلبَهُ ... ولا واصلَ السُّلْوانَ يوماً ولا الصَّبْرا

كئيبٌ غدا للهمِّ والحُزنِ آلفاً ... وما أنكَرَ الأحزانَ مَن عرفَ الدَّهْرا

إذا نَهْنَهَ الطَّرفَ القريحَ عن البُكا ... جرَى مُستهِلاًّ، لابَكِيًّا[٢] ولا نَزْرا

وإنْ رامَ كتمانَ الصَّبابَةَ عبَّرَتْ ... عنِ الوجْدِ والأشواقِ أجفانُه العَبْرَى[٣]

كأنَّ عليهِ الدَّمعُ ضربة لازبٍ ... إذا شامَ بَرْقاً أو رآى منزلاً قَفْرا

تخالُ بهِ، ممّا جنَى الوجْدُ جِنَّةً ... وتحسبُ من مَيْدَى[٤] الغرامِ به سُكرا

يرومُ بُلوغَ الوَصْلِ من أهل رامَةٍ ... ولم يَنْوِ أهلُ النَّيْرَبَيْنِ له هَجْرا

ويَهْوَى مَقَرًّا بالعقيقِ[٥] و دارُه ... علىَ طِيْبِها[٥] بالسَّهْمِ بالقُربِ من مَقْرا[٥]

مَحَلٌّ إذا أقْسَمْتَ أنْ لَيْسَ مثلهُ ... علىَ الأرضِ حُسْنًا كُنتَ فى القَسَمِ الْبَرَّا

إذا ذُكِرَتْ جنّاتُ عدنٍ وطِيبُها ... وكُنتَ بهِ حِلاًّ، حَسبتَ له الذِّكرىَ

تنافَسَ فيهِ الحسنُ مَرْأىً ومَنْظَرًا ... ولمْ تبلُغِ الأخبارُ عن طيبهِ الخُبْرا

---

١. "صرفا ولا أمرا" مطموس وكأنّه كذا.

٢. كذا يظهر فى الأصل مشدّدا ومَعناه الكثير البكاء والأنسب "بكيئاً" بالهمز من بكأتْ عينى إذا قلّ دمعها. (راجع التاج "بكى" و"بكأ").

٣. مطموس، نراه كذا.

٤. رسم الأصل "ميدا". يقال فعله ميدىَ ذلك أى من أجله. والذى فى اللسان ميدَ ذلك قال ولم يُسمع من ميدىَ ذلك (التاج).

٥. راجع معجم البلدان.

لسُكّانِهِ ما فِى الجِنَانِ سوىَ البَقَا … فطُوبَى لِمَنْ أفْنَى مُطيفًا به العُمرا
مُنَى الدِّين والدُّنيا ميسّرةٌ به … فَبِالْيُسْرِ يحظى مُتَّقِيهِمْ[1] وباليُسرَى
تُعَجِّلُ فى الدُّنيا بسُكناهُ جنّةٌ … ويُنقل فى الأخرىَ إلَى الجنّةِ الأُخرَى
تمنّى النّوى عن ذاكَ، لا عن ملالةٍ … ولكن نَوىَ مايُوجِبُ الأجْرَ والفخرا
زيارةَ قبرٍ، كُلُّ قلبٍ وناظرٍ … يَوَدُّ اشتياقاً أن يكون له قبرا
بِهِ عِصمةٌ للعالمين ورحمةٌ … تعمُّهمُ، مَن ساء منهم ومَن سَرّا
به المُصطفَى، خيرُ الأنامِ، مُحمّدٌ … وأكبرُ [هُم][2] فخراً وأشرفُهم قدرا
أسيِّدَ أهلِ الأرضِ طُرًّا، وصادقاً … أقولُ، و خيرَ الخلقِ كُلِّهِمِ طُرّا
هدانا بكَ الرَّحمٰنُ بعد ضلالةٍ … وكُفْرٍ علَى الدّين القويمِ أتَى كَفْرا[3]
وقد طَبّقَ الأرضَ الضّلالُ فلَمْ يَدَع … من الجَهْلِ، من أقْطارِها، خالِيًا قُطرا
وقد هُجِرالتَّوحيدُ واغْتِيلَ أهلُهُ … وأصْبَح قولُ الحقّ عند الورَى هُجْرا
ومال عمودُ[4] الدّين إذْ ثُلَّ عرشُه … وصالَ عدوُّ اللّهِ فى الأرضِ واستَضْرىَ[5]
وبَثَّ بها أشراكَ شِرْكٍ و باطلٍ … وجُبتٍ وطاغوتٍ تصيدُ النُّهَى قَهرا
وذلكَ للغرّ الأغرّ[6] سفاهة … وما هجر الأدنى يعوق ولا نسرا

---

١. غير واضح نراه كذا.
٢. سقط من الأصل.
٣. الكفر بالفتح، ويكسر، ظلمة الليل واسوداده (راجع القاموس).
٤. يظهر فى الأصل "عموذ" بالذال المعجمة.
٥. استضريت للصّيد إذا ختلته من حيث لا يعلم (اللسان).
٦. كذا يظهر. ويحتمل "للعزّ الأعزّ". وفى هذا البيت والبيت السابق تلميح إلى ما ورد فى القرآن، ٥١/٤، و ٢٣/٧١

فقُمتَ بأمر اللّٰهِ بالحقّ صادعاً[١] ولمّا تَهَبُ فيه الوعيدَ ولا الزّجرا[٢]
وعاديتَ أهلَ الأرضِ طوعاً لأمره وأنتَ الوحيدُ الفردُ ـــ[٣]
ولمّا طَمَى بحرٌ من الغيِّ زاخرٌ ومُدَّ لهُ مَدًّا أتيتَ لَهُ جزرا
وحين دَجَى ليلُ الضلالةِ حالكاً طلعتَ لهُ بدرًا[٤] وكنتَ له الفجْرا
وجاهدتَّ فى الرَّحمٰن حقَّ جهاده إلَى أن أتاكَ الفتْحُ يتْبعُ النَّصْرا[٥]
لكَ المُعْجزاتُ البيّناتُ الّتِى غَدَتْ[٦] مُحقّقةً كالشّمسِ طالعةً [ظُهْرا][٧]
فمِنها كلامُ اللّٰهِ جائكَ ، مُنْزَلاً ، به جِبرَئِيل ، ضَلَّ مَن ظَنَّهُ سِحرَا
ومَن قال مخلوقٌ ومَن قالَ مُفتَرىً ومَن قال لمْ يُكْتَبْ بِرَقٍّ ولَمْ يُقْرا
ولوكانَ ما قالُوه ما كانَ مُنْزَلاً ولاَ جاءَ عنهُ النَّهْىُ أنْ يُصْحَبَ السَّفْرا[٨]
ولمّا يَقُلْ "هذا"[٩] أليه إشارةً ولا مَنعُوا مِنْ مسِّهِ عازمًا طُهرا
ولمّا تحدّاهُم بإتيانِ مثلِهِ وأَسْمَعَ مَن فى أُذنه جعل الوقرا[١٠]

---

١. تلميح إلى القرآن، ١٥/٩٤.
٢. مطموس ولعلّه كذا.
٣. كلام مطموس غير واضح.
٤. مطموس نُراه كذا.
٥. فى البيتِ تلميح إلى القرآن، ٢٢/٧٨ و ١/١١٠.
٦. "التى غدت" مطموس و نراه كذا.
٧. "كالشمس طالعة" مطموس ولعلّه كذا و "ظهرا" مطموس بالكلّية فسنناه قياسًا.
٨. يشير إلى مارُوى عن ابن عمر أنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى أن يُسافَر بالقرآن إلى أرض العدوّ مخافةَ أن يناله العدوّ (راجع مسند أحمد، ٧/٢، ٥٥، ٦٣، ٨٦، ١٠٦، ١٢٨).
٩. لعلّه يشير إلى قوله تعالى "هذا القرآن" و تكرّر مرارًا. انظر، مثلاً، القرآن، ٤١/١٧، ٨٨، ٨٩
١٠. فى البيت إشارة إلى القرآن، ٢/٢٣، ١٠/٣٨، ١١/١٣، ١٧/٨٨، ٣١/٧، ٤١/٥.

"إِذا قُرِئَ القرآنُ فَاسْتَمِعُوالهُ"[1] غَدَتْ مِن أَمانِيِهِمْ أَكُفُّهُمْ صِفْرا
لكَ المُرتَقَى الأعلَى الَّذِى عنهُ هيبَةً تأَخَّرَ جِبْرِيْل، وحَسْبُكَ ذا فَخْرَا
ولَيْلاً مِنَ البَيتِ الحرامِ بمكَّةٍ إلى المسجد الأقصَى بكَ اللّٰهُ قد أسرى[2]
ركبتَ على ظهر البُراقِ مُحلِّقاً إلى سِدْرةٍ للمُنتَهَى[2] فاقتِ السِّدْرا
رأيتَ، كما خبرتَ، ربَّكَ، مالَهُ شَبِيْهٌ، ومن آياتِهِ الآيَةَ الكُبرى[2]
وحيّاكَ منه بالسّلامِ ولم يَنَلْ سواكَ نَبِيٌّ هذه اللَّيلَةَ الغرّا
ومن ثَمَّ تخفيفُ الصَّلاة على الورى[3] وخمسينَ كانت تلزِمُ العبدَ والحُرّا
فمازلتَ فى تخفيفها مُتردِّدًا[4] إليه فأَبْقَى الفرضَ من ذلكَ، العُشْرا
وذلكَ عن رأىِ الكليمِ وإنَّها لَساقِطَةٌ فعلاً و محسُوبةٌ أجرا[5]
وأنتَ شفيعُ الخَلْقِ فى يومِ عرضهِم وقد أُبْلِسُوا[6] رُعبًا وقد أبلِسُوا ذُعرا[7]
أَنلْتَهُمْ أمْنًا وقُلتَ "أنالَها"[8] وكلُّ نبىّ ، منهُمْ طلبَ العُذرا

---

۱. القرآن، ۷/۲۰۴.

۲. يشير إلى القرآن، ۱۷/۱ و ۵۳/۱۴، ۱۸ وقصّة الإسراء والمعراج معروفة. انظر السّيرة، ۳۹۶/۱ والشفا، ۲۳۱.

۳. "على الورى" مطموس ولعلّه كذا.

۴. "تخفيفها مرّدّدًا" مطموس و لعلّه كذا.

۵. حديث تخفيف الصّلاة عن رأى موسى عليه السلام معروف (راجع الشفا، ۲۳۴).

۶. كذا يظهر، ويجانس "أبلسوا". ويحتمل "أيسوا" و يوافق الفظ رواية "وأنا مبشّرهم إذا أيسوا" (ن–م، ۲۷۴).

۷. "أبلسوا ذعرا" مطموس ولعلّه كذا.

۸. انظر مسند احمد، ۲۹۵/۱، ۱۴۴/۳ حيث الحديث بتفاصيله وفيه ذكر قوله صلى اللّه عليه وسلم "أنالها" واعتذار الأنبياء و سجدته عليه الصلاة والسلام وإعطاء اللّٰه سؤله إيّاه إلى غير ذلك ممّا ورد فى هذا البيت والأبيات التالية. وانظر أيضًا الشفا، ۲۹۴–۲۹۷.

فُتعْطَى لواءَ الحمدِ آدمُ تحتَهُ   ومَنْ دُونَهُ[١]، يَرجُون من فضلِكَ البِرَّ[٢]
وتدنُو أمامَ العرشِ، للّهِ ساجدًا   لتشرحَ للرّاجى شفاعَتكَ الصَّدْرَا
فُيولِيكَ فخْراً يجمعُ السُّؤلَ والرّضا   ويؤتيكَ حَمْدًا يجمعُ الحمدَ والشُّكرا
يقولُ لكَ ارفَعْ رأسَكَ اليومَ راضيًا   فأنتَ لها أهلٌ وأنتَ بها أحْرَى
وقُلْ يُستَمَعْ، واشْفَعْ تُشَفَّعْ وسَلْ تَنَلْ   فيومُكَ هذا، مُشْبِهٌ ليلةَ الإسْرا[٣]
لكَ الكوثرُ المَوْرُودُ والحَوْضُ مَنْ يَرِدْ   زُلالَهما لَمْ يَعْرِفِ الخِمْسَ والعِشْرا[۴]
وشُقَّ لكَ البدرُ المُنيرُ كرامةً   وقد قال قومٌ لن نشُقَّ لكَ البدرا[۵]
وإيوانُ كِسْرَى انشقَّ ليلةَ بُشّرَتْ   بكَ الأرضُ مولودًا فأَعْظِمْ بهِ بُشْرَى
وفيها خَبَتْ نارُ المجوسِ ولم تكُنْ   خَبَتْ ألفَ عامٍ قبلُ سِرًّا ولا جَهْرا[۶]
وأيضًا بها غارتْ بُحَيرةُ ساوةٍ   وقد كانَ رائِيها يُساوِى [بِهابحرا][۷]

---

١. في الأصل، "دونهم"، سبقة قلم. راجع مسند أحمد، ١/ ٢٨١ "---وبيدى لواء الحمد ولا فخر--- آدم فمن دونه تحت لوائى ولا فخر".

٢. مطموس وكانّه كذا.

٣. هذا البيت تأخّر عن البيت التالى فى الأصل خطأً وأشير إلى ذلك بالهامش بكلمة "مقدّم" بخطّ دقيق، أى من حقّ البيت أن يُقدَّم.

۴. هذا البيت فى الأصل تقدّم خطأً ونبّه على ذلك بالهامش بكلمة "مؤخّر" أى من حقّه أن يؤخّر. والخِمس والعِشر بالكسر من أظماء الإبل وهو أن ترد الماء اليوم الخامس والعاشر (راجع اللسان) يشير إلى ما رُوى من حديث الحوض أنّه "من شرب منه لم يظمأ أبدًا" (الشفا، ٢٧٨) فكيف يحتاج إلى الورد، بعد ذلك.

۵. معجزة انشقاق القمر معروفة. (راجع الشفا، ٣٥٣ والوفا، ٢٧٢).

۶. "سرّا ولا جهرا" غير واضح وكأنّه كذا.

۷. "يساوى" مطموس نراه كذا و "بها بحرا" مطموس بالكليّة فسنّاه قياسا. وحديث إيوان كسرى و نار فارس و بحيرة ساوة مشهور (راجع، مثلا، الوفا، ٩٧).

وفِي تلكَ رُؤيا المُوبَذانِ وقد غدا … سَطِيحٌ بتعْبِيرٍ ————————(١)

ولمّا لمستَ الأرضَ ألفيتَ ساجدًا(٢) … وبانت قُصورٌ عمَّها النُّورُ مِن بُصرَى(٣)

و يوم بَحِيْرَى إذ أتاكَ مُسلِّمًا(٤) … ومُستخبرًا عمّا أحاط بِهِ خُبُرا

رأى منكَ آياتِ النُّبوَّةِ قَدْ [أتى](٥) … بها رُسلُ الآفاقِ يتلو [نها، تترَى / ذكرا؟](٥)

فأثْبتَها(٦) فى الحالِ مَرْأىً ومَسْمَعًا … وطابَ بها نفْسًا و عيْنًا بها قَرًّا

فأُشرِبَ إيماناً ومازاغ قلبُهُ … وآمنَ إيقانًا ولم يستزد فكرا

رآكَ وظِلٌّ للغمامة سابِغٌ … عليكَ وباقى الرَّكبِ عن ظلِّها حسرا(٧)

وقد خرّت الأشجارُ فى البرّ سُجّدًا … لرؤياكَ لما شرَّفَتْ(٨) ذلكَ البرّا

وعاينَ أيضًا للنُّبوّةِ خاتمًا … بهِ خُتِمَتْ، فازدادَ فى أمره أمرا

وردَّ أناسًا قد أتوكَ لغِيْلَةٍ … وأوسعَهُم نُصحًا وحذَّرَهُم غَدْرا(٩)

ونوبةُ نَسْطُورا ببصْرىَ(١٠) وقد أتى … يَؤُمُّهُمُ(١١) فيما يُباعُ وما يُشْرَى

---

١. كلام مطموس ——وانظر لقصّة رؤيا الموبذان و سطيح، الوفا، ٩٧–١٠٠،

٢. راجع ن–م، ٩٥، حيث وردت رواية سجوده عليه الصلاة والسلام عند ولادته.

٣. انظر السيرة، ١٥٨/١ والوفا، ٩٣، ٩٥.

٤. "مسلّما" مطموس ولعلّه كذا وقصّة بحيرَى الرّاهب معروفة. (انظر، مثلا، السيرة، ١٨٠/١–١٨٣، والوفا، ١٣٢–١٣٣).

٥. مابين الحاصرتين مطموس للغاية وإنّما قسناه قياسًا.

٦. غير واضح وكأنّه كذا.

٧. ويحتمل "حسرَى" جمع "حسير" وهو المتلهّف على مافاته.

٨. كأنّه "شرّقت" فى الأصل بالقاف ونرى الصّواب بالفاء والفاعل "رؤياك".

٩. يشير إلى ما كان من زرير وصاحبيه (راجع السيرة، ١٨٣/١).

١٠. "نوبة نسطورا ببصرى" غير واضح فى الأصل و نراه كذا و قصّة نسطورا الرّاهب أيضا معروفة (انظر، مثلاً الوفا، ١٤٣).

١١. غير واضح فى الأصل و نراه كذا من أمّه يؤمّه أمّا إذاقصده (اللسان).

رأى منکَ ما قد سَطَّرُوه بکُتبِهم   من الحقّ والآياتِ ما أعْوذَتْ سَطْرا؟[١]
فأقسَمَ باللّٰهِ العظيم تيقُّناً   لأنتَ الذى جائتْ بمبعثهِ البُشرَى
وأنتَ رسولُ اللّٰهِ تُبعَثُ رحمةً   إلَى أُمَّةٍ تُدعَى محجّلةً غُرّا
ونعتُک بالأُمّىّ فى الكتبِ عندنا   وإنّکَ عنّا، بالهُدَى، تضعُ الإصْرا[٢]
وتأمُرُنا بالعُرفِ والعَدْلِ والتُّقَى   وتأبَى لنا الفحشاءَ والبَغْىَ والنُّكُرا
لنا، طيّباتِ الأكلِ، شرعًا، تُحِلُّها[٣]   كما هو فى التّوراةِ من قبله يُقْرا[٤]
كذلکَ فى الانجيلِ نتلوهُ دائبًا[٥]   كما هو فى التّوراةِ من قبله يُقرا
وصحبکَ لمّا أعوز الماء واختشوا؟[٦]   بأنّهُمْ لم يدركُوا الوقتَ والعصرا
جعلتَ لهم من كفِّکَ البحر مَنْهلاً   فصلُّوا وكُلُّ القومِ قد أسبغَ الطُّهرا[٧]
وألفًا وبضع الألفِ رِيًّا سَقيتَهُم   بنانُکَ من نورٍ جُعِلْنَ بهِ غُمْرا[٨]

---

١. "ماأعوذت سطرا" كأنّه كذا فى الأصل.

٢. فى هذا البيت والأبيات الثلاثة التى تليها التفات إلى القرآن، ٧/١٥٧.

٣. الشطر مطموس وكذاً نُراه.

٤. هذا الشطر يتكرّر فى البيت الآتى و قد وردهمنا خطأ وسقط شطر هذا البيت ولعلّه كان يشتمل على معنى تحريم الخبائث (انظر القرآن، ن.ن).

٥. غير واضح نراه كذا.

٦. غير واضح وكأنّه كذا.

٧. يشير إلى ما رُوى عن أنس، رضى الله عنه، من أنّه حانت صلاة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا—— الحديث (انظر مسند أحمد ٣/١٣٢ والشفا، ٣٠٢).

٨. بالفتح الماء الكثير. يشير إلى ماورد فى صحيح البخارى عن جابر، رضى اللّٰه عنه، يذكر عطش الناس يوم الحديبية (الشفا، ٣٠٣).

وكم ماء عينٍ قد مزجتَ بمَجَّةٍ   وكانتْ بَكِيًا[١] ثمّ عادتْ بها نَهرا[٢]
ولمّا استقلّ الحارثُ الماءَ حَقّقَتْ   لهُ يذُكَ البَيْضاءُ فى مائه الكُثْرا[٣]
وروَّيتَ من ماءِ المَزادةِ أنفُسًا   عطاشًا وأكبادًا نقَعتَ به حَرّا
ولمْ يُنفِذوا من مائها قدر قطرةٍ   وقد أوسَقُوا منه الكواهلَ والظُّهُرا[٤]
ومِن تَمَراتٍ كِلْتَ لِلجيشِ زادَه   وأبدلَته من بعدِ إعسارِه اليُسْرا[٥]
وأشبَعْتَ من أقراصِ خُبزٍ لجابرٍ   ومن سَخْلَةٍ أَلْفاً وما نقَصُوا القِدْرا[٦]
وأوفيتَ عنهُ ثقلَ دَيْنٍ بصُبْرَةٍ   من التَّمرِ فازدادَتْ بتَنقيصِها وَفْرا[٧]
وسبعينَ مِن أقراصِ خُبْزٍ أتى بها   أبو طلحةٍ، أشبَعْتَهُمْ مَرّةً أُخرى[٨]
منحتَ أباهرَّ[٩] من التّمر مِزْوَدًا   فما زالَ مُمتارًا مُمِيْرًا بهِ دهْرا
وجهّزتَ جيشَ الشّامِ منهُ فقد غدَوا   وما منهُمْ إلاَّ ومنه احتوَى وقْرا

---

١. كذا يظهر فى الأصل مشدّدا والأصل فيه الهمز. (راجع ما سبق بالحاشية عن البيت الرابع من هذه القصيدة).

٢. لعلّه يشير إلى ماجاء عن البراء رضى اللّٰه عنه من حديث بئر الحديبية (انظر الوفا، ٢٨٧ وذكر حديثا آخر عن البراء أيضًا مثله).

٣. لم نهتد إلى معجز تكثير الماء للحارث غير أنه مذكور بالنسبة إلى زياد بن الحارث الصدائى فى الخصائص الكبرى، ٢/ ٤١.

٤. انظر حديث عمران بن حصين، رضى اللّٰه عنه، فى الشفا، ٤٠٨، والوفا، ٢٨٤–٢٨٧.

٥. انظر الشفا، ٤١٣.

٦. يشير إلى قوله "وإنّ برمتنا لتغطّ كما هى "وانظر التفاصيل الشفا، ٤١١ والوفا، ٢٧٤.

٧. انظر الشفا، ٤١٦ والوفا، ٢٧٥

٨. انظر الشفا، ٤١٠ والوفا، ٢٧٧–٢٧٨

٩. أراد أباهريرة، رضى اللّٰه عنه. انظر لمعجز تكثير التمر فى مِزْوَده، الشفا، ٤١٦–٤١٧، والوفا، ٢٨٢–٢٨٣.

وخمسينَ وسقًا منهُ قد جاد منعمًا ... بها [فى سبيلِ اللّٰه](١) يغتنِمُ الأجرا
ثلاثة أعوادٍ منحتَ ثلاثةً ... فعادَتْ سُيوفًا فى اكُفِّهِم طُرًّا(٢)
فمنهنَّ فى بدرٍ قضيبُ ابنِ أسْلَمٍ(٣) ... وعُودٌ به أيضًا عُكاشةُ(٤) قد جَرّا
وفى أُحُدَ ايضًا، ابْنُ جحشٍ، عَسِيبُهُ(٥) ... غدا مُرهَفًا من حدِّهِ(٦) يَحْلِقُ الشَّعْرا
وعينُ ابْنِ نعمانٍ(٧) وعين رفاعةٍ(٨) ... رَدَدْتَهُما من بعدِ أن بانَتَا نَدْرا(٩)
وكم هاتفٍ أضْحَى بنعتِكَ صادِحًا(١٠) ... يُؤَلِّفُهُ نثرًا وينظمُهُ شعْرا(١١)
وأقبلَتِ الأشجارُ لمّا دعوتَها ... يَشُقُّ لها السُّوقُ السُّهولةَ والوَعْرا(١٢)
ولمّا دعوتَ العِذْقَ من رأسِ نخلةٍ ... أتاكَ فقلتَ ارْجِعْ فما خالف الأمرا(١٣)

---

١. "فى سبيل اللّٰه" مطموس فى الأصل أثبتناه من لفظ الرواية "ولقد جهّزت منه خمسين و سقا فى سبيل اللّٰه"، الوفا، ٢٨٣.

٢. يظهر فى الأصل "مرّا" ولعلّ الصّواب ما أثبتناه. و يجوز بمعنى "مرّة". يقال: "جئته مَرًّا أو مَرَّيْن" أى مرّة أو مرّتين (راجع اللسان).

٣. أى سلمة بن أسلم بن حريش. انظر الخصائص الكبرى، ١/٢٠٥.

٤. الأشهر بتشديد الكاف وقد يُخفّف (راجع اللسان) وانظر لتفصيل المعجز، السيرة، ١/٦٣٧ والشفا، ٣٦٦.

٥. منع "أُحُد" من الصّرف كما وصل الهمزة فى "أيضا" وقطعها فى "ابن"، ضرورةً. والمعجز مذكور فى الشفا، ٣٦٧.

٦. ويحتمل "حِدَّةِ".

٧. أى قتادة بن النعمان. والمعجز مذكور فى الشّفا، ٣٥١ والوفا، ٣٣٣.

٨. أى رفاعة بن رافع بن مالك. انظر الخصائص الكبرى، ١/٢٠٥.

٩. ندر الشىء، سقط من جوف شىء (راجع اللسان و التاج).

١٠. نُراه كذا ويحتمل "صارخا".

١١. فى الأصل "تؤلّفه" و "تنظمه"، سبقة قلم. وانظر لذكر الهواتف، الوفا، ١٥١–١٥٨.

١٢. انظر الشفا، ٣٢٠–٣٢٧، والوفا، ٢٩٦–٢٩٩.

١٣. انظر الشفا، ٣٢٦–٣٢٧، والوفا، ٢٩٨.

وحنَّ إليکَ الجِذْعُ[1] شوقًا وَسَلَّمَتْ　　عليکَ، جهارًا، ظَبْيَةٌ[2] لَمْ تَرُمْ نَفْرا
كما الحجَرُ القاسی ابتداکَ مُسلِّمًا　　عليکَ ومشتاقًا كأنَّ بهِ حِجْرا[3]
بِکفِّکَ ، بَحْرَ الجُودِ، قد سبَّحَ الحَصَی[4]　　وقَبلَ رِجْلَيْکَ البعيرُ[5] لها شُكْرا
وخَلَّصتَ، يومَ الغارِ، طِرْفَ ابْنِ مالکٍ[6]　　فَغرَّ لذاکَ المشركينَ وما أغرى
وخافَتْ عليکَ العنكبوتُ من العِدَی　　فأرْخَتْ ، ببابِ الغارِ ، مكرًا بِهِمْ ، سِتْرا
وَوَافَقَها فی الذَّبِّ عنکَ حَمائِمٌ　　أتَيْنَ سريعًا فابتَنَيْنَ بهِ وَكْرا
فلمَّا أتَی الكُفّارُ طِرْنَ خديعَةً　　فحيًّا الحَيَا تلکَ الخديعةَ والمَكْرا[7]
ويومَ حُنَيْنٍ إذ أتوکَ بِجَمْعِهِمْ　　يجرّونَ من أبطالِهِمْ عسكرًا مَجْرا[8]
وراموا بُلوغَ الثأرِ منکَ رميتَهُمْ　　بِكَفِّ تُرابٍ فانثَنی جَرُّهُم كَسْرا[9]
وَعَجْفَاءَ، لانِقْیَ[10] بِهَا قد مَسَحْتَها　　فَدَرَّتْ ولَمْ يَعرِفْ بِهَا ربُّها[11] دَرّا

---

۱. انظر الشفا، ۴۲۷–۴۳۰، والوفا، ۳۲۱–۳۲۴.
۲. انظر الشفا، ۴۴۱–۴۴۲، والوفا، ۳۳۵–۳۳۶.
۳. انظر الشفا، ۴۳۱ والوفا، ۱۶۱.
۴. انظر الشفا، ۴۳۰ والوفا، ۳۲۴–۳۲۵.
۵. انظر الشفا، ۴۳۹–۴۴۰ والوفا، ۳۰۱–۳۰۳.
۶. الطِّرف بالكسر من الخيل الكريم العتيق (راجع اللسان) يشير إلى قصّة سُراقة بن مالک بن جُعشم عندالهجرة وهی معروفة. (انظر، مثلاً، الوفا، ۲۴۰–۲۴۲).
۷. قصّة العنكبوت والحمام معروفة.
۸. جيشٌ مَجْرٌ: كثيرٌ جدًا (اللسان).
۹. انظر لقصّة رمی التراب بحنين، الوفا، ۳۰۴.
۱۰. النِّقْیُ مُخّ العظام و شحمها (اللسان).
۱۱. "ربّها" غير واضح ولعلّه كذا والمراد أبو معبد و التلميح إلى قصّة شاة أمّ معبد (انظر الوفا، ۲۴۳).

لکَ الضَّبُّ أمْسَى بالرِّسالةِ شاهدًا   كما الذِّئبُ أضْحَى باليمينِ بهِ بَرًّا[١]
كما شَهِدَ الكُفَّارُ حقًّا وشاهَدُوا   ملائكةً للنَّصرِ إذ حَضَرُوا بَدْرا[٢]
ولمَّا أتَى للبَرْدِ والحَرِّ شاكياً   إليکَ عَلِيٌّ، وُقِّيَ البردَ والحرّا[٣]
وما كَتَمَتْ عنکَ الذِّراعُ الّذى بها   من السَّمِّ، إذْ خافت عليکَ له الضرّا[۴]
وبالرُّعبِ أيضًا قد نُصِرتَ على العِدَى   مسيرةَ أيّامٍ يعُدُّونَها شَهْرا[٥]
وأوتيتَ أصحابًا كِرامًا أعِزَّةً   وآلاأيُخالُ[٦] أُلطقُ فى ذكرِهم عطرا
فمنهم رفيقُ الغارِ والصِّدق والوفا   أبوبكرِ الثّانى أشَدُّهُمْ أزْرا[٧]
وصاحِبُکَ الفاروقُ ذوالعدلِ والتُّقَى   وعثمانُ، ذوالنُّورَيْنِ، أكرِمْ بهِ صِهْرا
وقاتِلُ أبْطالِ الوغَى، عالمُ الوَرَى   أخُوکَ عَلِيٌّ، زوجُ بِضْعتِکَ الزَّهرا
ورَيْحانتاکَ، ابْناهُ، سِبْطاکَ، سَيِّدا   شبابِ جِنانِ الخُلدِ أهواهُما———[٨]
وحمزة والعبّاسُ، جدُّ إمامنا   أبى جعفرَ المنصورِ، لا عدمَ النَّصرا[٩]
اولئکَ خيرُ الصَّحبِ حقًّا وكُلُّهُم   أُولُو الخيرِ والمعروفِ لَمْ يعرِفُوانُكرا

---

١. انظر لقصّة الضبّ والذئب الشفا، ٣٣٥–٣٣٧.
٢. انظر مثلاً حديث الغفارى فى السيرة، ١/٦٣٣.
٣. انظر ابن ماجه، ١/٤٣.
۴. انظر الوفا، ٧٦٨ حيثُ رُوى حديث الذّراع التى اخبرت النبى صلّى الله عليه وسلم عن السّمّ.
٥. يشير إلى ما جاء فى الحديث، 'نُصرتُ بالرّعب مسيرةَ شهر" (راجع صحيح البخارى، كتاب التّيمّم،
٦. غير واضح و يحتمل "تَخال".
٧. أصاب الشطر طمس و نراه كذا.
٨. مطموس.
٩. مطموس و كأنّه كذا.

هُمُ الصّادقُونَ القانتونَ، أولو النُهَى أولو الصَّبْرِ فى البأساءِ [والبأسِ] والضَّرّا[١]
هُمُ الصّائمونَ الحافظونَ فروجَهم هُمُ الذّاكرونَ اللّٰهَ لم يفترُوا ذِكْرا[٢]
هُمُ الأنجمُ الزُّهرُ الّتى يُهْتدَى بها إلَى أيِّهِمْ يَمَّمْتَ، أرشدَکَ المَسْرَى[٣]
غدا قولُهم حقًّا وفعلُهُمْ هُدَى وحُبُّهُمْ قُربَى وبُغضُهُمْ كُفْرَا
فضائلُ لو أنَّ الورىَ كُلِّفُوا لها بيانًا و حَصْرًا ما أطاقُوا لها حصرا
إذا نُثِرَتْ خِلْتَ اللّآلِى وإن غدتْ منظَمَةً، يومًا، تَحقَّقْتَها دُرّا
فما قَدْرُ قَدْرِى[٤] أن أرىَ ناظمًا لها وقد جاء ت الآياتُ فى وصفِها نثرا
ولا قدرُ شِعْرِى أن يكون سحابَها[٥] ولوكان من ألفاظه الشَّمسُ والشِّعرىَ
ولكّنى شرّفْته بمدِيْحِهِمْ وأبقيتُ لى فى الصالحات، بِهِ الذّكرا
عليکَ صلاةُ اللّٰهِ ثُمَّ عَليْهِمِ سلامٌ، يُعِيْرُ المِسْکَ، من طيبِهِ النَّشْرا
سلامٌ كنشرِ الرَّوضِ حَمَّلَهُ الصَّبا لُتبلِغَ عنهُ شُكْرَهُ السُّحْبَ والقَطْرا
سلامٌ كُلطفِ اللّٰهِ جاءَ لخائفٍ فَقيرٍ، بأمْرٍ يُعْدِمُ الخوفَ والفَقْرَا
فياخيرَ مأمُولٍ وياخيرَ شافعٍ ويامَلجأ العاصِى المُقرّ الّذى غرّا[٦]

---

١. "والبأس" سقط من الأصل و "الضَّرا" مطموس للغاية وكذا نُرَى الشطر نظر إلى القرآن ١٧٧/٢.

٢. مطموس و لعلّه كذا.

٣. تلميح إلى ماورد فى الحديث، "أصحابى كالنّجوم فبأيّهم اقتديتُم اهتَديْتُم" (المشكاة، باب مناقب الصّحابة، الفصل الثالث).

٤. القَدْر: مبلغ الشىء والقَدر والقُدرة: القوّة. فمعنى "ما قدر قدرى"، ليس مبلغ قوّتى أو ليس مدى قدرتى.

٥. غير واضح و لعلّه كذا.

٦. "المقر الذى غرّا" كلام مطموس و كأنّه كذا.

سَلِ اللّٰه يُعطِينى إلَيکَ زيارةً   أشُدُّبها أزْرًا وأرْمِى بها وِزْرًا

وكنْ شافِعى فيها قريبًا فإنَّنى   بحُبّکَ أرجُو أن أفوزَبها حَشْرا

135 لأنّکَ قُلتَ المَرْءُ مَعْ مَن أحبَّهُ[1]   وإنّى امرُؤٌصَبٌّ بحُبّكُم---[2]

إلاهي، أحاطَتْ بِى الذُّنوبُ وليسَ لى   مِنَ البِرّ ما أرجُوبهِ العَفْوَ والغفرا

سِوىَ حُسنِ ظَنٍّ فيکَ ثُمّ شهادَتِى   بأنّکَ وِترٌ فازَ مَن عبدالوِترا[3]

وأنّى مُحِبٌّ للنبىّ وآلِهِ   وأصحابِهِ، فاجعَلْهُ يارَبِّ لى ذُخرا

☆☆☆---☆☆☆

---

١. تلميح إلى الحديث المعروف. راجع مسند أحمد، ١/٣٩٢.

٢. غير واضح.

٣. أشار إلى الحديث المعروف، "إنّ الله عزّو جلّ و تريحبّ الوتر". انظر ن-م، ١/١٠٠.